Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE
Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT
Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email
lgunt@lgu.edu.pk

Website
https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS
Volume 9, No 04
Oct to Dec 2025
Page No: - 106-116

DOI
https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2025.090456

HISTORY OF THE PAPER
Received on: Oct 18, 2025
Accepted on: Nov15, 2025
Published on: Dec 30, 2025

PUBLISHED BY
Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

Contemporary Interpretations of Iqbal's Thought in the Twenty-First Century: Renewal, Identity and Global Problems

اکیسویں صدی میں فکرِ اقبال کی عصری تعبیرات: تجدید، شناخت اور عالمی مسائل کے تناظر میں

AUTHOR(s)

Musarrat Shaheen
PhD Scholar, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore

Dr Syed Tanweer Hussain
Assistant Professor, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore

ABSTRACT

Twenty-first-century scholarship increasingly reads Muhammad Iqbal not only as a thinker to be explained but as a resource for present problems. This article examines six studies published in 2025–2026 that make Iqbal "contemporary" in different ways: as the architect of a new kalam through the Reconstruction; as the reinterpreter of Sufism in Gulshan-i-Raz-i-Jadid; as an educational philosopher set against behaviourism; as a political theorist of Muslim unity in diversity; as a critic of globalization; and as a foreseer of current global events. The study groups these readings into three modes—reconstructive, applicative and predictive—and asks how each move from Iqbal's text to the present. It finds that reconstructive readings remain closest to Iqbal's own writings, while applicative and predictive readings gain immediacy at the cost of textual grounding, historical context and engagement with counterarguments. The article argues that a contemporary interpretation must do three things: locate Iqbal's statement in its own text and time, explain the mechanism by which it bears on a present problem, and acknowledge the limits of that transfer. Without these steps, the effort to keep Iqbal relevant risks turning interpretation into commemoration.

Keywords: Iqbal; Contemporary Interpretation; Reconstruction; Gulshan-i-Raz-i-Jadid; Millat; Globalization; Education.

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اکیسویں صدی میں فکرِ اقبال کی عصری تعبیرات: تجدید، شناخت اور عالمی مسائل کے تناظر میں

بیسویں صدی کی اقبالیات کا بنیادی سوال یہ تھا کہ اقبال نے کیا کہا۔ اکیسویں صدی میں اس کے ساتھ ایک دوسرا سوال زیادہ نمایاں ہو گیا ہے: اقبال آج کے مسائل پر کیا کہتے ہیں؟ عالمگیریت، مسلم معاشروں کی تقسیم، تعلیمی بحران، تہذیبی شناخت کا خطرہ اور مصنوعی ذہانت جیسے موضوعات اب اقبالیاتی جرائد میں عام ہیں۔ یہ رجحان اقبال کی فکری زندگی کی علامت بھی ہے اور ایک طریقیاتی آزمائش بھی۔ اقبال کو عصرِ حاضر سے جوڑنا ایک بات ہے، اور یہ دکھانا کہ یہ تعلق کس دلیل پر قائم ہے، دوسری بات۔

زیرِ نظر مقالہ 2025ء اور 2026ء میں شائع ہونے والے چھ مطالعات کا جائزہ لیتا ہے جو فکرِ اقبال کو الگ الگ طریقوں سے "عصری" بناتے ہیں۔ شعیب آفریدی خطبات کو ایک نئے علم الکلام کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ عابدہ مبشر گلشنِ رازِ جدید میں تصوف کی نئی تعبیر تلاش کرتی ہیں۔ آمنہ مراد اور ان کے رفقا اقبال کو رویّہ پسندی (Behaviorism) کے مقابل ایک ماہرِ تعلیم کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ منظور احمد کلوار اور ان کے رفقا ان کے تصورِ ملت میں وحدت اور تنوع کا رشتہ دکھاتے ہیں۔ شمیم اختر انہیں عالمگیریت کے چیلنج کا جواب سمجھتی ہیں۔ اور محمد بابر خان ان کے اشعار میں موجودہ عالمی واقعات کی پیش گوئیاں دیکھتے ہیں۔

اس مطالعے کی بنیاد ایک سادہ امتیاز پر ہے: "معنویت" اور "تعبیر" ایک چیز نہیں۔ کسی فکر کی معنویت کا دعویٰ یہ کہتا ہے کہ وہ آج بھی کام کی ہے۔ تعبیر اس سے آگے بڑھ کر یہ بتاتی ہے کہ وہ فکر آج کے سوال کو کس طرح بدلتی ہے، اور آج کا سوال اس فکر کو کس طرح بدلتا ہے۔ اقبال کی معنویت پر اردو میں بہت لکھا گیا ہے، مگر اس تحریر کا بڑا حصہ پہلی بات پر رک جاتا ہے۔ اس مقالے کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ حالیہ مطالعات میں سے کون سے دوسری بات تک پہنچتے ہیں، اور کون سے پہلی پر ٹھہر جاتے ہیں۔ ان چھ مطالعات کو یہاں تین گروہوں میں رکھا گیا ہے:

1. **تشکیلی تعبیر:** جو اقبال کے اپنے منصوبۂ تجدید کو ان کے متون سے سمجھنے کی کوشش کرتی ہے (آفریدی، عابدہ مبشر)۔
2. **اطلاقی تعبیر:** جو اقبال کے تصورات کو کسی موجودہ شعبے یا مسئلے پر لاگو کرتی ہے (مراد، کلوار، شمیم اختر)۔
3. **پیش گویانہ تعبیر:** جو اقبال کے اشعار اور بیانات کو بعد کے واقعات کی خبر سمجھتی ہے (بابر خان)۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ہر مطالعے کو تین سوالوں پر پرکھا جائے گا۔ کیا اقبال کا بیان ان کے اپنے متن اور زمانے میں رکھ کر سمجھا گیا ہے؟ کیا یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ بیان موجودہ مسئلے سے کس طرح جڑتا ہے؟ اور کیا اس ربط کی حدود تسلیم کی گئی ہیں؟ مقصد ان مطالعات کی قدر کم کرنا نہیں، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ اکیسویں صدی میں اقبال کو عصری بنانے کے کون سے طریقے علمی طور پر مضبوط ہیں اور کون سے کمزور۔

شعیب آفریدی کا مقالہ اس بات سے شروع ہوتا ہے کہ مدراس کے خطبات کسی اتفاقی دعوت کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ برسوں کی فکری تیاری کا حاصل تھے۔ مصنف کے نزدیک اقبال کی فکر کے دو رخ تھے: شاعرانہ وجدان اور فلسفیانہ تجزیہ۔ شاعری زندگی کو بیدار کرتی تھی اور فلسفہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔[1] اس مطالعے کا سب سے قیمتی حصہ وہ سوالات ہیں جو اقبال نے خطبات کی تیاری کے دوران سید سلیمان ندوی اور دیگر علما سے پوچھے۔ مثلاً کیا امت کا اجماع کسی قرآنی حکم کو منسوخ کر سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ کے اجتہادی فیصلے وحی کی حیثیت رکھتے ہیں یا امامت کی؟ امام ایک فرد ہے یا ایک اجتماعی ادارہ؟ اور زمان و مکان کی حقیقت پر مسلم متکلمین اور صوفیا نے کیا لکھا؟[2] یہ سوالات اقبال کے طریقۂ کار کو بے نقاب کرتے ہیں۔ وہ جدید علوم کے نتائج لے کر قدیم کلام اور فقہ کے پاس جاتے اور دیکھتے ہیں کہ روایت میں ان کا جواب کہاں موجود ہے۔ یوں تجدید کا مطلب روایت سے انکار نہیں بلکہ اس سے نیا سوال اٹھانا ہے۔

مصنف اس بحث کا اختتام سید ظفر الحسن کی اس رائے پر کرتے ہیں کہ خطبات ایک "نئے علم الکلام" کی بنیاد ہیں، اور خطبات کو ایک بند نظام کے بجائے ایک کھلا مکالمہ قرار دیتے ہیں۔ اسی ضمن میں وہ خطبات کے دیباچے سے پانچ نکات اخذ کرتے ہیں، جن میں عمل کو فکر پر ترجیح اور باطنی تجربے کو نئے تنقیدی طریقے سے پرکھنے کی ضرورت شامل ہے۔[3] یہ آخری نکتہ اہم ہے، کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال صوفیانہ تجربے کو مسترد نہیں بلکہ نئے طریقے سے قابلِ جانچ بنانا چاہتے تھے۔ اس تعبیر کی قوت اس کی متنی بنیاد ہے۔ مصنف اقبال کے خطوط، اقبال نامہ، زندہ رُود اور انوارِ اقبال جیسے مآخذ سے کام لیتے ہیں اور اقبال کو ان کے اپنے سوالوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ مگر یہی قوت ایک کمزوری بھی بن جاتی ہے۔ تیرہ صفحات کے مقالے میں تقریباً چھ صفحات ان سوالات کی نقل پر صرف ہوتے ہیں، جو اقبالیات میں پہلے سے معروف ہیں۔[2] سوالات کا تجزیہ کم ہے: یہ نہیں بتایا گیا کہ ان میں سے کون سا سوال کس خطبے میں کس نتیجے تک پہنچا۔ مزید یہ کہ "نیا علم الکلام" ایک پرانی اصطلاح ہے اور مصنف اسے اکیسویں صدی کے کسی مخصوص کلامی مسئلے سے نہیں جوڑتے۔ یوں مقالہ اقبال کے منصوبۂ تجدید کو درست سمجھتا ہے مگر اسے آگے نہیں بڑھاتا۔ وہ اقبال کے سوال تو دہراتا ہے مگر آج کے مسلم ذہن کے سامنے وہی نوعیت کے سوال نہیں رکھتا۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

عابدہ مبشر کا مطالعہ زبورِ عجم کی مثنوی گلشنِ رازِ جدید پر ہے، جو اقبال نے شیخ محمود شبستری کی گلشنِ راز کے جواب میں تقریباً سات صدیاں بعد لکھی۔ مصنفہ کے بقول اقبال نے شبستری کے بیشتر سوال بر قرار رکھے مگر جواب اپنے عہد کے حالات اور قرآن و سنت کی روشنی میں دیے۔ شبستری وحدت الوجود کے تحت فنافی اللہ کو انسانی کمال سمجھتے تھے، جبکہ اقبال نے خودی کے اثبات اور تکمیل کو زندگی کی معراج قرار دیا۔ مصنفہ کے نزدیک اس مثنوی کا پس منظر امت کے فکری اور روحانی زوال کی تشخیص ہے، اور اقبال نے قدیم صوفیانہ اصطلاحات کو نئے عہد کی ضرورتوں کے مطابق از سرِ نو بیان کیا۔[4] یہ نکتہ اس مطالعے کو "تشکیلی تعبیر" کے زمرے میں لاتا ہے۔ گلشنِ رازِ جدید خود اقبال کی ایک عصری تعبیر ہے: ایک قدیم متن کو نئے زمانے کے سوالات کے سامنے رکھنا۔ اس لحاظ سے اقبال نے شبستری کے ساتھ وہی کیا جو اکیسویں صدی کے محققین اقبال کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ اقبال کا طریقہ معنی خیز ہے: انہوں نے شبستری کی ہیئت، اسلوب اور بیشتر سوال باقی رکھے اور صرف جواب بدلے۔ یعنی انہوں نے اپنے پیشرو کو رد کرنے کے بجائے اس سے مکالمہ کیا۔

تاہم یہ مطالعہ اپنے اس مشاہدے کو آخر تک قائم نہیں رکھ پاتا۔ خلاصے میں اقبال صوفیانہ اصطلاحات کی نئی تعبیر کرتے ہیں، مگر اختتامیہ میں یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اقبال کے نزدیک روایتی تصوف امت کے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔[5] یہ دونوں باتیں ایک جیسی نہیں۔ پہلی بات تصوف کی تجدید کی ہے اور دوسری اس کی نفی کی۔ اگر اقبال روایتی تصوف کو محض ہلاکت سمجھتے تو شبستری کے سوالوں اور اس کی ہیئت کو اپنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مصنفہ نے اس تضاد کو نہ دیکھا اور نہ حل کیا۔ "روایتی تصوف" کی اصطلاح بھی کہیں متعین نہیں کی گئی، حالانکہ اقبال کی تنقید کس تصوف پر ہے، یہی اصل سوال ہے۔ اس کے علاوہ مقالے کا بیشتر حصہ مثنوی کے سوالات اور جوابات کی ترتیب وار تلخیص پر مشتمل ہے، اور تشریح کے لیے زیادہ تر بیسویں صدی کے شارحین پر انحصار کیا گیا ہے، جیسے خلیفہ عبدالحکیم، سید عبداللہ اور حمید نسیم۔[5] ایک ایسی مثنوی کے مطالعے میں، جو خود ایک مکالمہ ہے، یہ توقع بیجا نہ تھی کہ مصنفہ شبستری کے کسی ایک سوال کو لے کر دونوں جوابات کا تفصیلی تقابل کرتیں۔ اس کے بغیر یہ دکھانا مشکل رہتا ہے کہ اقبال نے صوفیانہ اصطلاح کا مفہوم عملاً کیسے بدلا۔ اس طرح یہ مطالعہ ایک اہم اور کم پڑھی گئی مثنوی کو توجہ کا مرکز ضرور بناتا ہے، مگر اس کی نئی تعبیر بیان سے آگے نہیں بڑھتی۔

آمنہ مراد، محمد عابد علی اور صباحت انور کا مطالعہ اقبال کو تعلیمی نفسیات کی ایک جدید بحث میں لے آتا ہے۔ مصنفین اقبال اور رویّہ پسندی کا تین نکات پر تقابل کرتے ہیں: ماحول، خودی اور انسانی اختیار۔ ان کے نزدیک رویّہ پسندی طالبِ علم کو بیرونی محرکات سے شکل پانے والا جاندار سمجھتی ہے، جبکہ اقبال اسے فطرت، اندرونی صلاحیتوں اور اخلاقی جدوجہد کی صلاحیت رکھنے والا وجود مانتے ہیں۔ مصنفین کی تجویز

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ہے کہ اقبال کی مابعد الطبیعیاتی گہرائی اور رویّہ پسندی کی عملی وضاحت کو ملا کر ایک مرکب تدریسی نمونہ بنایا جائے۔[6] یہ مطالعہ "اطلاقی تعبیر" کی ایک اچھی مثال ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ خودی کا تصور کلاس روم اور نصاب کی زبان میں منتقل ہوتا ہے، اور اس سے اقبال کی فکر ایک عملی میدان میں پہنچتی ہے۔ لیکن اس منتقلی میں ایک اہم متنی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ مصنفین اسرارِ خودی کی حکایتِ الماس و زغال کو اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ کوئلہ اور ہیرا ایک ہی عنصر سے بنے ہیں اور ان میں فرق ماحول کے دباؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر وہ "کوئلے جیسے" اور "ہیرے جیسے" تعلیمی ماحول کی اصطلاحیں وضع کرتے ہیں۔[7] مگر اقبال کی حکایت میں ہیرے کی برتری اس کی اپنی پختگی اور صلابت کا نتیجہ ہے، اور اس کا سبق یہ ہے کہ زندگی کی آبرو اندرونی سختی میں ہے۔ ماحول کے دباؤ کو فیصلہ کن بنانا دراصل اسی ماحولی جبریت کی طرف جھکاؤ ہے جس پر مصنفین رویّہ پسندی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ یوں اس حکایت کی یہ قرأت اقبال کے بجائے مصنفین کے اپنے تعلیمی مفروضے کی ترجمان بن جاتی ہے۔

اسی صفحے پر خطبات سے یہ قول بھی منقول ہے کہ انا کا جوہر ارادہ ہے اور ماحول اس کے ظہور کا موقع ہے۔[7] یہ قول خود بتاتا ہے کہ اقبال کے ہاں اصل محرک ارادہ ہے اور ماحول ثانوی۔ مگر یہ قول صفحہ نمبر کے بغیر محض "اقبال، 1930" کے حوالے سے دیا گیا ہے، اور پورے مقالے میں اقبال کے اقتباسات کا یہی انداز ہے۔ اس کے برعکس رویّہ پسندی کا ذکر زیادہ تر واٹسن اور اسکنر کی ابتدائی صورت تک محدود ہے، اور اس کی معروف کمزوریوں کا ذکر پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔ یوں مقابلہ ایک پہلے سے کمزور فریق سے ہوتا ہے، اور ایسے مخالف کے مقابل اقبال کی برتری ثابت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مصنفین آخر میں نصاب سازی، اساتذہ کی تربیت اور اقبال کی تمثیلات پر مبنی کتابچوں کی سفارشات پیش کرتے ہیں۔[8] یہ سفارشات مفید ہیں، مگر ان کی اصل کمزوری یہ ہے کہ وہ اقبال کے کسی مخصوص متن سے اخذ نہیں کی گئیں بلکہ ایک عمومی "اقبالی روح" سے۔ اطلاقی تعبیر کا یہی بنیادی خطرہ ہے: اقبال ایک متن سے زیادہ ایک علامت بن جاتے ہیں، جس سے ہر قابلِ قدر نتیجہ منسوب کیا جا سکتا ہے۔

منظور احمد کلوار، دانیال احمد اور نجم السحر الیاس کا مطالعہ آج کے مسلم معاشروں میں نسلی، لسانی اور مسلکی تقسیم سے شروع ہوتا ہے اور اقبال کے تصورِ ملت کو اس کا جواب قرار دیتا ہے۔ مصنفین کے بقول اقبال مغربی قوم پرستی اور فرقہ وارانہ سیاست دونوں کے بجائے توحید کو وحدت کی اخلاقی بنیاد بناتے ہیں، جو نسل، زبان اور خطے سے بالاتر ہے، اور اجتہاد کے ذریعے اس وحدت میں تنوع کی گنجائش پیدا کرتے ہیں۔ مصنفین کی ایک مرکزی دلیل یہ ہے کہ اقبال نے مثالی مسلم معاشرے کو ایک ایسے باغ سے تشبیہ دی جس میں طرح طرح کے پھول مل کر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

خوبصورتی پیدا کرتے ہیں۔[9] یہ تعبیر ایک حقیقی مسئلے کو مخاطب کرتی ہے اور اقبال کے تصورِ ملت کو یکسانیت کے بجائے تنوع کے زاویے سے پڑھنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ ایک مفید زاویہ ہے، کیونکہ اقبال کی ملت کو اکثر ایک یک رنگ اور یکساں اکائی سمجھا جاتا ہے۔ مصنفین اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اقبال کا تصور عملی طور پر مشکل ہے، کیونکہ مسلم دنیا میں مسلکی ادارے اور قومی مفادات گہری جڑیں رکھتے ہیں۔

تاہم اس مطالعے کی متنی بنیاد کمزور ہے۔ خطبات کی مشہور عبارت، کہ توحید بطور ایک عملی تصور مساوات، یکجہتی اور آزادی کا نام ہے، مقالے میں تین جگہ آتی ہے۔ ایک جگہ اس کا حوالہ 2013ء کے ایڈیشن کے صفحات 7–8 دیا گیا ہے اور دوسری جگہ 1989ء کے ایڈیشن کا صفحہ 122، حالانکہ یہ عبارت چھٹے خطبے کی ہے۔[10] اسی طرح اقبال کے ایک خط کا جملہ کہ آج کا مسلمان اس کا محض سایہ ہے جو اسے ہونا چاہیے، ایک ثانوی ماخذ سے نقل ہوا ہے اور باغ والی تمثیل کا حوالہ شعر یا صفحے کے بغیر صرف اسرارِ خودی کے نام سے دیا گیا ہے۔[9] یہ اس لیے اہم ہے کہ پورا استدلال اسی تمثیل پر ٹکا ہے۔ اگر باغ کی تشبیہ اقبال کے متن میں مصنفین کے بیان کردہ مفہوم میں نہ ملے تو "وحدت میں تنوع" اقبال کا نہیں بلکہ مصنفین کا تصور رہ جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ تاریخی سیاق کا ہے۔ مصنفین خود بتاتے ہیں کہ اقبال کی سیاسی فکر کئی مراحل سے گزری، وطنی قومیت سے ملتِ اسلامیہ کے بین الاقوامی تصور تک۔[9] مگر بحث میں مختلف ادوار کے اشعار اور بیانات کو ایک ہی موقف کی تائید میں اکٹھا پیش کیا گیا ہے۔ نیز بیسویں صدی کے ہندوستان کے تناظر میں کہی گئی بات کو آج کی قومی ریاستوں میں منقسم مسلم دنیا پر لاگو کرنے کا طریقہ واضح نہیں کیا گیا۔ یہی اطلاقی تعبیر کا مرکزی سوال ہے: اقبال کا جواب کس سوال کا تھا، اور آج کا سوال وہی ہے یا مختلف؟

شمیم اختر کا مقالہ عالمگیریت کو اکیسویں صدی کی ایک بڑی حقیقت قرار دیتا ہے جو بظاہر دنیا کو قریب لا رہی ہے مگر مقامی شناختوں کو مٹانے اور طاقتور قوموں کی بالادستی قائم رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ مصنفہ فکرِ اقبال کے تین ستون متعین کرتی ہیں: خودی، ملت اور آزادی۔ پھر ان کی مدد سے تہذیبی یلغار، معاشی استحصال، تعلیم کی تجارت اور نوجوانوں پر مغربی اثرات جیسے مسائل کا جائزہ لیتی ہیں۔ ان کا نتیجہ یہ ہے کہ خودی فرد کو اپنی پہچان دیتی ہے، ملت قوم کو وحدت دیتی ہے اور آزادی بیرونی اثرات سے بچنے کا حوصلہ۔[11]

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اس مطالعے کا سب سے مفید نکتہ آزادی کے تصور کی توسیع ہے۔ مصنفہ کے بقول آج کے ترقی پذیر ممالک سیاسی طور پر آزاد ہیں مگر معاشی اور تہذیبی طور پر بڑی طاقتوں کے زیرِ اثر ہیں، اور یہ نئی قسم کی غلامی اقبال کے تصورِ غلامی کی توسیع ہے۔[11] یہ دعویٰ اگر متن سے ثابت کیا جاتا تو اس مطالعے کا سب سے مضبوط حصہ بن سکتا تھا۔ مگر یہی اس مطالعے کی بنیادی کمزوری ہے۔ مقالے کے آٹھ حوالوں میں اقبال کی کوئی تصنیف شامل نہیں؛ سب ثانوی کتب ہیں۔[12] اقبال کا کوئی شعر یا نثری اقتباس متن سمیت نہیں پیش کیا گیا، اور اقبال کی طرف منسوب ہر بات "اقبال کے نزدیک" کے عمومی صیغے میں آتی ہے۔ اس سے مطالعہ ایک تحقیقی تعبیر کے بجائے ایک معلوماتی مضمون بن جاتا ہے۔ مزید یہ کہ عالمگیریت کے بارے میں کسی معاصر نظریے یا بحث سے کوئی حوالہ نہیں، اس لیے مسئلے کی تشخیص بھی عمومی ہے اور اقبالی حل بھی۔

ایک اور بات قابلِ غور ہے۔ مصنفہ عالمگیریت کے مثبت اور منفی دونوں پہلو تسلیم کرتی ہیں، مگر اقبال کو صرف منفی پہلو کے خلاف استعمال کرتی ہیں۔[11] اقبال جدید علم اور مغرب سے استفادے کے بھی قائل تھے، اور ان کے تصورِ ملت کی سرحدیں خود ایک طرح کی عالمگیریت کا تصور ہیں۔ اس پہلو سے اقبال عالمگیریت کے محض ناقد نہیں بلکہ ایک متبادل عالمگیریت کے ترجمان بھی پڑھے جاسکتے تھے، مگر مقالہ اس امکان کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

محمد بابر خان کا مقالہ اقبال سے منسوب "پیش گوئیوں" کا موجودہ عالمی حالات سے تقابل کرتا ہے: مغربی استعمار، مسلم دنیا کا انتشار، مشرقِ وسطیٰ کی صورتِ حال، سودی سرمایہ داری، چین کا عروج اور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مصنف تمہید میں خود یہ اصول وضع کرتے ہیں کہ اقبال کی پیش بینی کا مطالعہ واقعات اور اشعار کی ظاہری مطابقت تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کے بیانات کن تاریخی حالات اور فکری مقدمات پر قائم تھے۔[13] یہ ایک درست اور ضروری اصول ہے۔ مگر مقالے کا بڑا حصہ اس اصول کی پابندی نہیں کرتا۔ سیاسی پیش گوئیوں والے حصے میں اقبال کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے کہ مشرق کے دروازے پر مغربی استعمار کے اڈے کی تعمیر اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے خطرہ ہے، اور اس کے بعد کئی صفحات موجودہ جنگوں اور سیاسی واقعات کے صحافتی بیان میں صرف ہوتے ہیں۔ اس حصے میں بعض پیراگراف معمولی فرق کے ساتھ دو دو بار دہرائے گئے ہیں۔[14] یہاں اقبال کا بیان نقطۂ آغاز ہے، موضوعِ بحث نہیں۔ یہ نہیں دکھایا گیا کہ اقبال کے اس بیان کا پس منظر کیا تھا اور بعد کے واقعات اس کی کس حد تک تائید یا تردید کرتے ہیں۔ یوں اقبال کی فکر واقعات کے بیان پر مہرِ تصدیق بن جاتی ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سائنسی پیش گوئیوں والا حصہ اس طریقۂ کار کی سب سے واضح مثال ہے۔ مصنف جاوید نامہ کا یہ شعر نقل کرتے ہیں:

خود بخود بیرون فتد اسرارِ زیست نغمہ بی مضراب بخشد تارِ زیست

اور اس سے مصنوعی ذہانت، روبوٹس اور باپ کے بغیر بچوں کی پیدائش تک کی پیش گوئی اخذ کرتے ہیں۔[15] مگر شعر کے سیاق کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، یعنی جاوید نامہ کے کس مقام پر کس کردار کی زبان سے یہ بات کہی گئی ہے۔ ایک صوفیانہ اور مابعد الطبیعیاتی استعارے، یعنی زندگی کے اسرار کا خود بخود ظاہر ہونا اور بغیر مضراب کے نغمہ، کو ٹیکنالوجی کی خبر بنا دینا تعبیر کم اور انطباق زیادہ ہے۔ اس طریقے سے کلاسیکی شاعری کے بہت سے اشعار سے بھی کسی نہ کسی جدید ایجاد کی پیش گوئی نکالی جا سکتی ہے، اور یہی اس کی کمزوری کی دلیل ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ مقالے کا حاصلِ تحقیق اس کے متن سے زیادہ متوازن ہے۔ وہاں مصنف خود کہتے ہیں کہ اقبال کی پیش گوئیوں کو غیبی خبروں یا اتفاقی شعری مطابقت کے بجائے تاریخی بصیرت اور انسانی فطرت کے مطالعے کا نتیجہ سمجھنا چاہیے، اور ان کا اصل امتیاز بحرانوں کی پیش اطلاع نہیں بلکہ ان کے اسباب کی تشخیص ہے۔[15] یہ نتیجہ درست ہے، مگر مقالے کا متن اسی مؤقف کی نفی کرتا ہے جس پر وہ ختم ہوتا ہے۔ یوں پیش گویانہ تعبیر اپنی ہی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔

تشکیلی مطالعات میں شعیب آفریدی کا مطالعہ اقبال کے خطوط اور خطبات پر مضبوطی سے قائم ہے، مگر عصرِ حاضر سے اس کا ربط صرف ایک عمومی اشارے تک محدود ہے اور وہ اقبال کے منصوبے کو نامکمل مان کر اس کی حدود کا جزوی اعتراف کرتا ہے۔ عابدہ مبشر کا مطالعہ بھی فارسی متن سے جڑا ہوا ہے، مگر اس کا عصری تناظر اقبال کے اپنے عہد کے زوالِ امت تک رہتا ہے اور اپنی حدود پر کوئی بات نہیں کرتا۔ اطلاقی مطالعات میں مراد اور ان کے رفقا تعلیمی نمونے اور سفارشات کے ذریعے اقبال کو آج سے جوڑتے ہیں اور اقبال کے ماڈل کے کم متعین ہونے کا اعتراف بھی کرتے ہیں، مگر اقبال کے اقتباسات صفحہ نمبر کے بغیر دیے گئے ہیں۔ کلوار اور ان کے رفقا مسلم تقسیم اور شناخت کی بحث سے اقبال کو جوڑتے اور ان کے تصور کی عملی مشکلات تسلیم کرتے ہیں، مگر ان کے اقتباسات کے حوالے باہم متضاد ہیں۔ شمیم اختر کا مطالعہ عالمگیریت پر عمومی تبصرہ ہے، جس میں اقبال کا کوئی متن موجود نہیں اور حدود کا کوئی اعتراف بھی نہیں۔ اور بابر خان کی پیش گویانہ تعبیر میں اقبال کے اشعار تو موجود ہیں مگر ان کا سیاق غائب ہے، ربط محض واقعات سے مطابقت کا ہے، اور حدود کا اعتراف صرف تمہید اور اختتامیہ میں ملتا ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اس موازنے سے ایک الٹا تناسب سامنے آتا ہے۔ جو مطالعہ جتنا زیادہ آج کے مسائل سے جڑا ہوا ہے، اس کی متنی بنیاد اتنی ہی کمزور ہے۔ آفریدی اور عابدہ مبشر اقبال کے متن میں گہرے اترتے ہیں مگر آج تک کم پہنچتے ہیں۔ شمیم اختر اور بابر خان آج کی بات کرتے ہیں مگر اقبال کے متن میں کم اترتے ہیں۔ اس درمیانی خلا کو پر کرنے کی کوشش صرف مراد اور کلوار کے مطالعات میں نظر آتی ہے، مگر وہاں بھی اقبال کے متن کے حوالے اتنے کمزور ہیں کہ استدلال پوری طرح قائم نہیں رہتا۔

ان مطالعات میں ایک مشترک مفروضہ بھی کارفرما ہے: اقبال ہر عصری مسئلے کا جواب رکھتے ہیں۔ یہ مفروضہ کسی مطالعے میں زیرِ بحث نہیں آتا۔ کسی مقالے میں یہ نہیں پوچھا گیا کہ اقبال کا کون سا موقف آج کے حالات میں نظرِ ثانی مانگتا ہے، حالانکہ اقبال نے خود اپنے پیشروؤں کے ساتھ یہی کیا۔ شبستری کے سوال باقی رکھ کر جواب بدل دیے،[4] اور فقہا سے وہ سوال پوچھے جن کا جواب روایت میں موجود نہیں تھا۔[2] اقبال کی عصری تعبیر اسی وقت اقبالی ہو گی جب وہ اقبال کے اس رویے کو خود اقبال پر بھی لاگو کرے۔

ان مطالعات کا لہجہ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ زیادہ تر مقالات اقبال کو ایک ایسے مفکر کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کی بات کو پرکھا نہیں، صرف دہرایا جاتا ہے۔ "اقبال نے صدیوں پہلے بھانپ لیا،" "ان کی فکر میں ہر مسئلے کا حل پوشیدہ ہے،" اور "ان کا پیغام آج پہلے سے زیادہ اہم ہے" جیسے جملے تحقیق کے نتیجے کے بجائے اس کے آغاز میں آتے ہیں۔ یہ لہجہ اقبال سے محبت کا اظہار تو ہے، مگر اس سے قاری کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ اقبال کی کون سی بات کس دلیل سے آج درست ہے۔ اقبال کو عصرِ حاضر سے جوڑنے کی سب سے کامیاب کوششیں وہی ہیں جو ان کی بات کو ایک دعوے سمجھ کر جانچتی ہیں، اور ان مطالعات میں ایسی جانچ کم ہی نظر آتی ہے۔

اس موازنے سے ایک مثبت نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ یہ چھ مطالعات مل کر اقبال کی فکر کے ان میدانوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو آئندہ تحقیق کے لیے زرخیز ہیں: اقبال کے سوالات کا خطبات سے تعلق، گلشنِ رازِ جدید اور شبستری کا سوال بہ سوال تقابل، خودی کی تعلیمی تشکیل، ملت میں تنوع کا مسئلہ، اور اقبال کے تصورِ غلامی کا معاشی پہلو۔ ان میں سے ہر میدان میں ایک متن مرکز اور تنقیدی مطالعہ اقبالیات میں حقیقی اضافہ ہو گا۔ اس بحث کی روشنی میں ایک معتبر عصری تعبیر کے تین تقاضے متعین کیے جا سکتے ہیں:

1. **متن اور سیاق:** اقبال کا شعر یا بیان مکمل حوالے کے ساتھ، اور اس کے اپنے موقع اور زمانے میں رکھ کر پڑھا جائے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

2. **منتقلی کا طریقہ:** واضح کیا جائے کہ وہ بیان موجودہ مسئلے سے کس دلیل سے جڑتا ہے: مشابہت سے، اصول سے، یا محض الفاظ کے اتفاق سے۔

3. **حدود کا اعتراف:** یہ تسلیم کیا جائے کہ آج کا مسئلہ کہاں اقبال کے زمانے سے مختلف ہے اور اقبال کا جواب کہاں ناکافی ہے۔

ان تینوں میں سے پہلا تقاضا تشکیلی مطالعات میں پورا ہوتا ہے، دوسرا اطلاقی مطالعات میں جزوی طور پر، اور تیسرا تقریباً کہیں نہیں۔ یہی تیسرا تقاضا کسی تعبیر کو عقیدت سے الگ کرتا ہے۔ جب محقق یہ کہنے کے لیے تیار نہ ہو کہ اقبال کسی مسئلے پر کم مدد کرتے ہیں، تو اس کی یہ بات بھی کم وزن رکھتی ہے کہ اقبال کسی مسئلے پر بہت مدد کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی کی اقبالیات میں اقبال کو عصری بنانے کی کوشش ایک زندہ روایت کی علامت ہے، مگر زیرِ نظر چھ مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوشش اکثر تعبیر کے بجائے اطلاق یا انطباق کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس مطالعے کے نتائج یہ ہیں:

1. تشکیلی تعبیرات اقبال کے متن سے سب سے زیادہ قریب ہیں، اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کا اپنا طریقہ روایت سے نئے سوال پوچھنا تھا۔ مگر یہ تعبیرات اس طریقے کو بیان کرتی ہیں، اسے آگے نہیں بڑھاتیں۔
2. اطلاقی تعبیرات اقبال کو تعلیم، سیاست اور عالمگیریت جیسے نئے میدانوں میں لے جاتی ہیں، مگر ان میں اقبال کے متن کے حوالے کمزور یا غائب ہیں، اور بعض اوقات متن کی قرأت محقق کے اپنے مفروضے کے تابع ہو جاتی ہے۔
3. پیش گویانہ تعبیر اقبال کے اشعار کو ان کے سیاق سے الگ کر کے واقعات سے ملاتی ہے، اور اپنے ہی وضع کردہ اصول پر قائم نہیں رہتی۔
4. چھ میں سے کوئی مطالعہ یہ سوال نہیں اٹھاتا کہ اقبال کی فکر کا کون سا حصہ آج کے حالات میں نظرِ ثانی مانگتا ہے۔ یہی اس باب میں اکیسویں صدی کی اقبالیات کا سب سے بڑا خلا ہے۔

اقبال نے شبستری سے اس کے سوال لیے اور اپنے جواب دیے؛ انہوں نے علما سے وہ سوال پوچھے جو ان کے زمانے نے پیدا کیے تھے۔ اکیسویں صدی میں فکرِ اقبال کی سب سے وفادار تعبیر شاید وہی ہو گی جو اقبال سے اسی طرح مکالمہ کرے: ان کے سوال سنے، ان کے جواب ان کے سیاق میں سمجھے، اور آج کے سوالوں کے لیے اپنے جواب کی ذمہ داری خود اٹھائے۔ اس کے بغیر اقبال کی عصری معنویت کا دعویٰ تحقیق کم اور خراجِ تحسین زیادہ رہ جاتا ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

حوالہ جات

1. Shoeb Afridi, "Iqbal's Questions and the Intellectual Pursuit of a New Synthesis," *Iqbal Review* 67, no. 1 (January–March 2026): 1–13, at 1–2.

2. Ibid., 3–9.

3. Ibid., 10–12.

4. عابدہ مبشر، "گلشنِ رازِ جدید: اقبال کا تصورِ تصوف اور فلسفۂ خودی"، اقبال ریویو / اقبالیات، جلد 66، شمارہ 3 (جولائی–ستمبر 2025ء)، ص 53–78، بالخصوص ص 53–57

5. ایضاً، ص 74–77

6. Amina Murad, Muhammad Abid Ali and Sabahat Anwar, "Environment, Self, and Agency in Education: A Comparative Study of Iqbal's Philosophy and Behaviorism," *Iqbal Review* 66, no. 4 (October–December 2025): 1–23, at 1–2.

7. Ibid., 8–9.

8. Ibid., 17–18.

9. Manzoor Ahmed Kalwar, Danyal Ahmad and Najmul Sahar Ilyas, "Re-Envisioning Muslim Identity: Unity and Diversity in Muhammad Iqbal's Political Thought," *Payam-i-Iqbal: Bahria Research Journal on Iqbal Studies* 5, no. 1 (March 2026): 39–55, at 39–42, 44, 48–49.

10. Ibid., 41, 44, 48–49.

11. شمیم اختر، "فکرِ اقبال اور گلوبلائزیشن کے چیلنجز"، تمثال، جلد 3، شمارہ 1 (2025ء)، ص 17–25، بالخصوص ص 17–23

12. ایضاً، ص 25

13. محمد بابر خان، "علامہ اقبال کی پیش گوئیاں اور موجودہ عالمی صورتِ حال: سیاسی، تہذیبی، معاشی، دینی اور سائنسی اثرات کا تحقیقی جائزہ"، اقبال ریویو / اقبالیات، جلد 67، شمارہ 3 (جولائی–ستمبر 2026ء)، ص 71–94، بالخصوص ص 73

14. ایضاً، ص 74–76

15. ایضاً، ص 91–92؛ شعر کے لیے: محمد اقبال، جاوید نامہ (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1959ء)، ص 98؛ بحوالہ: محمد بابر خان، محولہ بالا، ص 94